86

لہُو لگا کر شہیدوں میں مِلو

(فرمودہ ۱۸؍ جون ۱۹۲۰ء)

حضور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے مسیح موعودؑ کے متعلق جس قدر ترقیات کے وعدے فرماتے ہیں۔ وہ سب کے سب ایسے ہیں کہ ان میں خدا تعالیٰ نے اپنے اختیار ہی کا دخل رکھا ہے۔ اور ان میں انسانوں کا بہت ہی کم دخل ہے۔ جتنی پیشگوئیاں پہلے زمانہ کی آخری زمانہ کے متعلق ہیں۔ ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت خود اپنی طرف سے کچھ سامان پیدا کرے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں زیادہ فتنہ ہوگا کیونکہ غیر معمولی سامان اسی وقت استعمال میں لائے جاتے ہیں جب معمولی سامانوں سے کام نہ چلے۔ حضرت اقدس کے جس قدر معجزات ہیں۔ ان میں یہی نظارہ نظر آتا ہے۔ جب غیر معمولی حالات پیدا ہوتے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ ان کو اپنے قانونِ خاص سے توڑتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ ایک شخص کے پاس عمدہ پانی ہو۔ اور پھر اس کے لیے خدا خاص طور پر بادلوں کو لاتے اور اس پر برسائے۔ بلکہ وہ بادلوں کو تب لاتا ہے جب خاص طور پر اسے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو خدا کا خاص قانون جب ہی جاری ہوتا ہے جب عام قانون انسان کے لیے بند ہو جاتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کی طرف سے اس زمانہ کے متعلق اس بات پر زور دیا جانا کہ آخری زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نصرت آئیگی اس سے پتہ لگتا ہے کہ اس زمانہ میں شرارت بھی حد کو پہنچ جائیگی۔ بنی نوع انسان حیران ہونگے کہ ان سامانوں کا کیونکر مقابلہ کریں۔ اب مقابلہ نہایت مشکل ہے۔ مگر اس وقت خدا تعالیٰ خاص ذرائع پیدا کریگا۔ کیونکہ ان فتنوں کو دُور کرنا اسی کی شان سے وابستہ ہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں۔ کفر و ضلالت نے جو آج ترقی کی ہے۔ اس سے پہلے کبھی یہ ترقی نہیں ہوئی تھی حتیٰ کہ کسی نبی کے زمانہ میں بھی یہ حالت نہ تھی۔ یہ سچ ہے کہ اہلِ شرارت کے مقابلہ میں اہلِ حق کی تعداد ہمیشہ کم اور حالت کمزور رہی ہے۔ مگر ایسی نہیں۔ جیسی اس وقت ہماری ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ ہم تھوڑے

ہیں۔ مگر مسیح کے حواری بھی تو تھوڑے تھے۔ ہمارے پاس مال تھوڑا ہے۔ مگر ان کے پاس بھی مال تھوڑا تھا۔ اور یہی حال علم کا بھی تھا۔ پھر باوجود اس حالت کے ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم ان سے زیادہ کمزور ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خواہ اس وقت اہلِ حق کی حالت کتنی کمزور ہوتی۔ تاہم ان کے پاس بھی وہی سامان ہوتے تھے۔ جو حکومت وقت کے پاس ہوتے تھے یا عام لوگ ان کو آسانی سے فراہم کر سکتے تھے تعداد کی قلت ہوتی تھی۔ مگر سامان کی قلت نہ تھی۔ وہ یہی زمانہ ہے۔ جس میں تعداد ہی کی قلت نہیں۔ سامانوں کی بھی قلت ہے۔ نئے علوم نے وہ وہ سامان پیدا کئے ہیں کہ حکومت کی مدد کے بغیر وہ سامان جمع نہیں ہو سکتے۔ آج کمزوروں کا مقابلہ واقعی زور آوروں سے ہے۔ مسیح نے تو کہدیا تھا کہ تو اپنے کپڑے بیچ کر تلوار خرید۔ لیکن آج اگر مکان بھی بیچ دیں۔ تو توپ نہیں مل سکتی۔ دشمن کے پاس تلوار سے بڑھ کر بندوق اور توپ اور مختلف قسم کے سامان ہیں۔ مگر ہمارے پاس کچھ بھی نہیں۔ پھر پہلے لوگ اپنے وقت کے سامان تیار کرا سکتے تھے۔ ہم تیار بھی نہیں کرا سکتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہمارا مقابلہ رُوحانی مقابلہ ہے۔ مگر دشمن کو اپنے سامانوں پر گھمنڈ ہے۔ وہ انہی سامانوں کی بنا پر دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم سب دُنیا سے اپنا مذہب منوالیں گے۔ ان کی طرف سے جو مذہبی آزادیاں دی جا رہی ہیں۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ عیسائیت بہت وسیع القلب ہو گئی ہے۔ بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ آخر یہ ہمارا ہی شکار ہیں۔ پس پادریوں کا تمام جوش و خروش اسی لیے ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو سامانوں سے آراستہ سمجھتے ہیں۔ اور ان کا جوش و خروش کلیلہ دمنہ کے چوہے کا سا ہے۔

یہ ایک ہندی قصہ ہے۔ جو پہلے فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ اور پھر عربی میں ترجمہ ہوا۔ اس کتاب میں لکھا ہے۔ ایک شخص تھا۔ اس کی ایک زاہد نے جو جنگل میں رہتا تھا دعوت کی جب وہ کھانے کے لیے آیا۔ تو کھانا رکھا گیا۔ اور گفتگو ہو رہی تھی کہ زاہد گفتگو اور کھانے کے درمیان منہ اور ہاتھوں سے عجیب عجیب حرکتیں کرتا تھا۔ اس شخص کو یہ اچھا نہ معلوم ہوا اس نے زاہد سے کہا۔ کہ تم یہ کیا کرتے ہو۔ اس نے کہا کہ میں کتنا ہی اونچا کھانا رکھوں ایک چوہا ہے۔ وہاں تک پہنچ جاتا ہے اور کھانا خراب کر دیتا ہے۔ اس شخص نے جب یہ سُنا تو کہا کہ اس چوہے کے اُچھلنے کی وجہ میں سمجھ گیا کہ اس کے بل میں مال ہوگا جس کے گھمنڈ پر وہ اُچھلتا ہے۔ اس کے بل کو کھودنا چاہیئے۔ یہ بل کھودا گیا۔ تو اس میں سے مال نکلا۔ جب مال وہاں سے نکال لیا گیا۔ تو پھر وہ چوہا اتنا اونچا نہیں اُچھل سکتا تھا۔

اس چوہے سے مراد ایسا مالدار آدمی ہے۔ جو محض اپنے مال کی بنا پر گھمنڈ میں آجائے اور اُچھلنے لگے۔ پس پادری یہ کہتے ہیں کہ ہم تمام مذاہب کو کھا جائیں گے۔ ہمارے پاس صداقت کے دلائل ہیں۔ یہ

باطل ہے۔ کیونکہ عیسائیت ایک مُردہ مذہب ہے۔ اور اس میں رُوحانیت نہیں۔ نہ روحانیت سے مقابلہ کر سکتی ہے۔ اس میں طاقت نہیں کہ دُعاؤں کے ذریعہ مقابلہ کر سکے۔ باقی رہے دلائل ان سے یہ کیا مقابلہ کر سکے گی۔ کیونکہ اس کے دلائل کی معقولیت اسی سے ظاہر ہے۔ کہ تین ایک ہیں اور ایک تین پھر کہا جاتا ہے، خُدا بہت محبت کرنے والا ہے۔ اس کے لیے خدا کو عادل بنایا ہے اور عادل بنا کر کفارہ کا ڈھونگ گھڑا ہے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو سُولی دے دیا۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو اس طرح وہ عادل بھی نہیں رہتا۔ کیونکہ سارے جہان کے بدلے ایک شخص کو جو بالکل بے قصور ہو۔ پھانسی پر چڑھانا کہاں کا عدل ہے۔ کیا ان دلائل کو فطرت قبول کر سکتی ہے؟

پس محض ایک ظاہری شان ہے جو ظاہری عیسائیت کے نام میں شریک ہے اور اسی کے بل پر عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ ہم مذہبی طور پر تمام دُنیا کو فتح کر لیں گے۔ یہ سارا دعویٰ محض حکومت کے بل پر ہے کیونکہ جو سامان آج عیسائی کہلانے والی سلطنتوں کے پاس ہیں۔ وہ کسی حکومت کے پاس نہیں ہوتے۔ تمام دنیاوی سامان جو جنگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ آج صرف عیسائیوں کے پاس ہیں۔ یا اگر کسی غیر عیسائی کے پاس ہیں تو وہ مسلمان نہیں۔ عام طور پر یورپ کی طاقتوں کے مقابلہ میں جاپان کا نام لیا جایا کرتا ہے۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ جاپان کی حالت نہایت کمزور ہے۔ اور اس کے لیے مالی مشکلات ایسی پیش آجاتی ہیں کہ قریب ہوتا ہے کہ اس کا دیوالیہ نکل جائے۔ پس عیسائی طاقتیں مضبوط ہیں اور جو رنگ ان کا ہے۔ جو سامان ان کے پاس ہیں۔ دُنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ ان تمام سامانوں اور طاقتوں کے مقابلہ میں خاص سامان ہی کام کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے لیے اس زمانہ میں خدا نے تمام ترقیات کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

خدا کی خاص مدد کے بغیر کچھ نہیں ہوگا۔ جب یہ حال ہے۔ تو ہمارا کام تو کچھ بھی نہ رہا۔ ہمیں تو صرف خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہونے کا موقع دیا گیا ہے۔ پہلوں کو جو چیز بڑی بڑی قربانیوں کے بعد حاصل ہوتی تھی وہ ہمیں بہت آسانی سے مل رہی ہے پہلوں کو جانی اور مالی بڑی بڑی قربانیاں کرنی پڑیں، لیکن ہمارے لیے ان کے مقابلہ میں گویا کچھ بھی نہیں۔ ہمارے اندر اس وقت تک کابل کے دو واقعوں کے سوا کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔ اور آیندہ بھی پہلوں کے مقابلہ میں اگر جانی قربانی کا موقع آیا۔ تو ہمیں غالباً اتنی قربانیاں نہیں کرنی پڑیں گی۔ پس ہمارے لیے کام بہت کم ہے۔ قرآن کریم میں اس زمانہ کے متعلق آتا ہے۔ واذا الجنة ازلفت (التکویر: ۱۴) کہ وہ زمانہ ایسا ہوگا کہ جنت بہت قریب کر دی جائیگی، گویا کہ اب یہ حال ہے کہ ثمر قریب ہے۔ ہمیں ہاتھ بڑھا کر لے لینے کی ضرورت ہے۔ یا

ایک چھوٹا سا زینہ ہے۔ جس پر ہم چڑھ کر مقصد پا سکتے ہیں۔ اگر ہم اس سے فائدہ نہ اُٹھائیں۔ تو کتنے افسوس کی بات ہو گی۔ اور اس کی ایسی ہی مثال ہو گی جیسا کہ مشہور ہے کہ سڑک پر ایک سپاہی چلا جا رہا تھا۔ اتنے میں اس کو آواز آئی۔ کہ اے میاں سپاہی۔ اِدھر آنا۔ جب وہ وہاں گیا۔ تو آواز دینے والے نے کہا۔ یہ بیر میری چھاتی پر پڑا ہے۔ اسے اُٹھا کر میرے منہ میں ڈال دینا۔ اس پر سپاہی بہت خفا ہوا کہ یہ کتنا سُست آدمی ہے۔ کہ خواہ مخواہ میرا وقت خراب کیا۔ پاس ہی سے آواز آئی کہ ہاں میاں سپاہی واقعی یہ بہت سُست ہے۔ کتا رات بھر میرا مُنہ چاٹتا رہا۔ مَیں نے ہر چند اسے کہا کہ ہٹا دو مگر اس نے نہ ہٹایا۔ یہ تو ایک قصّہ ہے لیکن ہم اس سے بھی سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

پس اگر ہم بھی اس وقت سُست ہو جائیں اور ایسے آسان وقت میں انعامات الٰہی حاصل نہ کریں۔ تو پھر ہم سے بُرا کون ہو گا۔ بہت ہیں جو اس قصّہ پر ہنستے ہیں، لیکن اگر وہ بھی سُست ہو جائیں۔ تو وہ ان سے بھی بدتر ہو جائینگے جیسا کہ قصّہ میں ذکر ہے۔ کیونکہ ہمارے لیے خدا کی طرف سے بہت آسانیاں کر دی گئی ہیں اور خدا نے خود تمام کام کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اور نعمت کو اس قدر قریب کر دیا ہے کہ ہم اگر اب بھی اس کے لینے کے لیے ہاتھ نہ بڑھائیں۔ تو ہم سے بُرا اور سُست کون ہو گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی سمجھ دے کہ ہم اس کے عطا فرماتے ہوئے سامانوں سے فائدہ اُٹھائیں۔ اور مفت میں لہو لگا کر شہیدوں میں ملیں۔ کم از کم نام شہیدوں کا پائیں۔ شہیدوں کا نام تو مل جاتے گا۔ کیونکہ کام تو خدا ہی کریگا اور کر رہا ہے۔"

(الفضل یکم جولائی ۱۹۲۰ء)